

تفسير القرآن

مريجه

(١٩)

ہر ایچہ

نام | اس سورت کا نام آیت **وَإِذْ كُنَّا فِي الْكِتَابِ هَارِيَةً** سے ماخوذ ہے۔ مراد یہ ہے کہ وہ سورہ جس میں حضرت مریم کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کا زمانہ نزول ہجرت حبشہ سے پہلے کا ہے۔ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام جب حبشہ کے دربار میں بلائے گئے تھے اس وقت حضرت جعفر نے ہی سورہ بقرہ کے دربار میں تلاوت کی تھی۔

تاریخی پس منظر | جس دور میں یہ سورہ نازل ہوئی اس کے حالات کی طرف ہم کسی حد تک سورہ کسف کے ویسا ہیچے میں اشارہ کر چکے ہیں۔ لیکن وہ مختصر اشارہ اس سورہ کو اور اس دور کی دوسری سورتوں کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے ہم ذرا اس وقت کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

قریش کے سردار جب تضحیک، استہزاء، اطماع، نخوت اور جھوٹے الزامات کی نشیروں سے تحریک اسلامی کو دبانے میں ناکام ہو گئے تو انہوں نے ظلم و ستم، مار پیٹ اور معاشی دباؤ کے ہتھیار استعمال کرنے شروع کیے۔ ہر قبیلے کے لوگوں نے اپنے اپنے قبیلے کے نو مسلموں کو تنگ پکڑا اور طرح طرح سے ستا کر قید کر کے بھوک پیاس کی تکلیفیں دے کر، حتیٰ کہ سخت جسمانی آذیتیں دے دے کر انہیں اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ غریب لوگ اور وہ غلام اور موالی جو قریش والوں کے تحت زیر دست کی حیثیت سے رہتے تھے، بری طرح پیسے گئے۔ شلاً پلاں، عامر بن ثعبان، ام عیسیٰ، زبیرہ، عمار بن یاسر اور ان کے والدین وغیرہم۔ ان لوگوں کو مار مار کر اُدھ مٹوا کر دیا جاتا، بھوکا پیاسا بند رکھا جاتا، کسے کی تپتی ہوئی ریت پر چل پلاتی دھوپ میں لٹا دیا جاتا اور سینے پر بھاری پتھر رکھ کر گھنٹوں تڑپایا جاتا۔ جو لوگ پیشہ ور تھے ان سے کام لے لیا جاتا اور اجرت ادا کرنے میں پریشان کیا جاتا۔ چنانچہ صحیحین میں حضرت نجاش بن اُرت کی یہ روایت موجود ہے کہ:

”میں نے لوہار کا کام کرتا تھا، مجھ سے عاص بن وائل نے کام لیا، پھر جب میں اس سے اجرت لینے گیا تو اس نے کہا کہ میں تیری اجرت نہ دوں گا جب تک تو محمدؐ کا انکار نہ کرے“

اسی طرح جو لوگ تجارت کرتے تھے ان کے کاروبار کو برباد کرنے کی کوششیں کی جاتیں اور جو معاشرے میں کچھ عزت کا مقام رکھتے تھے ان کو ہر طریقے سے ذلیل و رسوا کیا جاتا۔ اسی زمانے کا حال بیان کرتے ہوئے حضرت خباب کہتے ہیں کہ ایک روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کے سامنے میں تشریف فرما تھے۔ میں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! اب تو ظلم کی حد ہو گئی ہے، آپ خدا سے دعا نہیں فرماتے"؛ یہ سن کر آپ کا چہرہ مبارک تھما اٹھا اور آپ نے فرمایا، "م تم سے پہلے جو اہل ایمان تھے ان پر اس سے زیادہ مظالم ہو چکے ہیں۔ ان کی ہڈیوں پر لوہے کی کنگھیاں لکھی جاتی تھیں، ان کے سروں پر رکھ کر آگ سے جلائے جاتے تھے، پھر بھی وہ اپنے دین سے نہ پھرتے تھے۔ یقین جانو کہ اللہ اس کام کو پورا کر کے رہے گا یہاں تک کہ ایک وقت وہ آٹے کا ایک آدمی صنعا سے حضرت تک پہنچے سفر کرے گا اور اللہ کے سوا اس کو کسی کا خوف نہ ہوگا، مگر تم لوگ جلد بازی کرتے ہو" (بخاری)

یہ حالات جب ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئے تو جب ۶۳۰ء عام الفیل (صحیح نبوی) میں حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "لو خرجتم الی ارض الحبشة فان بها مدکاً لا یظلم عندک احد وھی ارض صدق حتی یمعل الله لکم فرجاً مما انتم فیہ۔" اچھا ہو کہ تم لوگ نکل کر حبش چلے جاؤ وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا اور وہ بھلائی کی سرزمین ہے۔ جب تک اللہ تمہاری اس مصیبت کو رفع کرنے کی کوئی صورت پیدا کرے، تم لوگ وہاں پھیرے رہو۔"

اس ارشاد کی بنا پر پہلے گیارہ مردوں اور چار خواتین نے حبش کی راہ لی۔ قریش کے لوگوں نے مائل تک ان کا پھینکا، مگر خوش قسمتی سے شعیبہ کے بندرگاہ پر ان کو روکت حبش کے لیے کشتی مل گئی اور وہ گرفتار ہونے سے بچ گئے۔ پھر چند مہینوں کے اندر مزید لوگوں نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۶۳۲ء گیارہ عورتیں اور غیر قریشی مسلمان حبش میں جمع ہو گئے اور کئی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ۴۰ آدمی رہ گئے۔

اس ہجرت سے کئی کے گھر میں کرام مچ گیا، کیونکہ قریش کے بڑے اور چھوٹے خاندانوں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چشم و چراغ ان صحابہ میں شامل نہ ہوں۔ کسی کا بیٹا گیا تو کسی کا دامان کسی کی بیٹی گئی تو کسی کا بھائی اور کسی کی بہن۔ ابو جہل کے بھائی سلمہ بن ہشام، اس کے چچا زاد بھائی ہشام بن ابی عبد اللہ اور عیاش بن ابی ریحہ اور اس کی چچا زاد بہن حضرت ام سلمہ۔ ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ۔ عثیہ کے بیٹے اور ہند جگر خوار کے گے بھائی ابو عبد اللہ۔ شعیب بن عمرو کی بیٹی سلمہ۔ اور اسی طرح دوسرے سرداران قریش اور مشہور دشمنان اسلام کے اپنے جگر گوشے دین کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے

تھے۔ اسی لیے کوئی گھر نہ تھا جو اس واقعہ سے متاثر نہ ہوا ہو۔ بعض لوگ اس کی وجہ سے اسلام دشمنی میں پلے سے زیادہ سخت ہو گئے، اور بعض کے دلوں پر اس کا اثر ایسا ہوا کہ آخر کار وہ مسلمان ہو کر رہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی اسلام دشمنی پر پہلی چوٹ اسی واقعہ سے لگی۔ ان کی ایک قریبی رشتہ دار ریل بنت ختمہ بیان کرتی ہیں کہ میں ہجرت کے لیے اپنا سامان باندھ رہی تھی، اور میرے شوہر عامر بن ربیعہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اتنے میں غم آئے اور کھڑے ہو کر میری خشوعیت کو دیکھتے رہے کچھ دیر کے بعد گئے گئے "عبداللہ کی ماں، جا رہی ہو؟" میں نے کہا "ہاں، خدایا تم قوم لوگوں نے میں بہت ستایا۔ خدایا زمین کھلی پڑی ہے، اب ہم کسی ایسی جگہ چلے جائیں گے جہاں خدا ہمیں چین دے۔" میں نے عرض کی پھر سے بر رقت کے ایسے آثار طاری ہوئے جو میں نے کبھی ان پر نہ دیکھے تھے اور وہ بس یہ کہ کھل گئے کہ "خدا تمہارے ساتھ ہو۔"

ہجرت کے بعد قریش کے سردار سر جوڑ کر بیٹھے اور انہوں نے طے کیا کہ عید اللہ بن ابی ربیعہ (ابو جہل کے ماں جانے بھائی) اور عمر بن عباس کو بہت سے قیمتی تحائف کے ساتھ بخش بھیجا جائے اور یہ لوگ کسی نہ کسی طرح نجاشی کو اس بات پر راضی کریں کہ وہ ان مہاجرین کو مکہ واپس بھیج دے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ نے (جو خود مہاجرین حبشہ میں شامل تھیں) یہ واقعہ بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ سہ فرماتی ہیں کہ قریش کے یہ دونوں ماہر سیاست سفیر ہمارے تعاقب میں حبش پہنچے پہلے انہوں نے نجاشی کے ایمان سلطنت میں خوب بدینے تقسیم کر کے سب کو اس بات پر راضی کر لیا کہ وہ مہاجرین کو واپس کرنے کے لیے نجاشی پر بالاتفاق واردیں گے۔ پھر نجاشی سے ملے اور اس کو بیش قیمت نذرانہ دینے کے بعد کہا کہ "ہمارے شہر کے چند نادان لوٹھے بھاگ کر آپ کے ہاں آ گئے ہیں اور قوم کے اشراف نے ہمیں آپ کے پاس ان کی واپسی کی درخواست کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ یہ لڑکے ہمارے دین سے نکل گئے ہیں اور آپ کے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں بلکہ انہوں نے ایک نرالا دین نکال لیا ہے۔ ان کا کلام ختم ہوتے ہی اہل دربار ہر طرف سے پونے لگے کہ "ایسے لوگوں کو ضرور واپس کر دینا چاہیے، ان کی قوم کے لوگ زیادہ جانتے ہیں کہ ان میں کیا عیب ہے۔ انہیں رکھنا ٹھیک نہیں ہے۔" مگر نجاشی نے بڑا کر کہا کہ اس طرح تو میں انہیں حوالے نہیں کروں گا۔ میں لوگوں نے دوسرے حکم کو چھوڑ کر میرے ملک پر اعتماد کیا اور یہاں پناہ لینے کے لیے آئے ان سے میں بے وفا نہیں کر سکتا۔ پہلے میں انہیں بلا کر تینوں کروں گا کہ یہ لوگ ان کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے؟ چنانچہ نجاشی نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔

نجاشی کا پیغام پا کر سب مہاجرین جمع ہوئے اور انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ بادشاہ کے سامنے کیا کہنا ہے۔ آخر سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم میں دی ہے ہم

وہی بے کم و کاست پیش کر بن گئے خواہ نجاشی میں رکھے یا نکال دے۔ دربار میں پہنچے تو چھوڑتے ہی نجاشی نے سوال کیا کہ یہ تم لوگوں نے کیا کیا کہ اپنی قوم کا دین بھی چھوڑا اور میرے دین میں بھی داخل نہ ہوئے، دنیا کے دوسرے ادیان ہی میں سے کسی کو اختیار کیا یا آخر یہ تمہارا نیا دین ہے کیا؟ اس پر ماجرین کی طرف سے جعفر بن ابی طالب نے ایک برجستہ تقریر کی جس میں پہلے عرب جاہلیت کی دینی، اخلاقی اور معاشرتی خرابیوں کو بیان کیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر کر کے بتایا کہ آپ کی تعلیمات پیش فرماتے ہیں، پھر ان مظالم کا ذکر کیا جو آنحضرت کی پیروی اختیار کرنے والوں پر قریش کے لوگ ڈھا رہے تھے، اور اپنا کلام اس بات پر ختم کیا کہ دوسرے ملکوں کے بجائے ہم نے آپ کے ملک کا رخ اس امید پر کیا ہے کہ یہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا۔ نجاشی نے یہ تقریر سن کر کہا کہ ذرا مجھے وہ کلام تو سناؤ جو تم کہتے ہو کہ خدایٰ کی طرف سے تمہارے نبی پر اترا ہے۔ حضرت جعفر نے جواب میں سورۃ مریم کا وہ ابتدائی حصہ سنایا جو حضرت عیسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے متعلق ہے۔ نجاشی اس کو سننا رہا اور روتا رہا یہاں تک کہ اس کی ڈاڑھی تر ہو گئی۔ جب حضرت جعفر نے تلاوت ختم کی تو اس نے کہا کہ یقیناً یہ کلام اور جو کچھ عیسیٰ لائے تھے دونوں ایک ہی سرچشمے سے نکلے ہیں، خدایٰ کی قسم میں تمہیں ان لوگوں کے حوالے نہ کروں گا۔

دوسرے روز غزوہ بنی الناصب نے نجاشی سے کہا کہ "ذرا ان لوگوں سے ہٹا کر تو بڑھ چھوے کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے۔ یہ لوگ ان کے متعلق ایک بڑی بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے پھر ماجرین کو بلا بھیجا۔ ماجرین کو پہلے سے غزوہ کی مجال کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے جمع ہو کر پھر شور مچایا کہ اگر نجاشی نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دو گے؟ مومن بڑا نازک تھا اور سب اس سے پریشان تھے۔ مگر پھر بھی اصحاب رسول اللہ نے یہی فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہوتا ہے ہو جائے، ہم تو وہی بات کہیں گے جو اللہ نے فرمائی اور اللہ کے رسول نے سکھائی۔ چنانچہ جب یہ لوگ دربار میں گئے اور نجاشی نے غزوہ بنی الناصب کا پیش کردہ سوال ان کے سامنے ڈھرایا تو جعفر بن ابی طالب نے اٹھ کر بلاتائیل کہا کہ ہو عبد اللہ ورسولہ ورسوخة وکلمتہ الفأھانی ہر ایحد العذراء البتول۔ "وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور اس کی طرف سے ایک روح اور ایک کلمہ ہیں جسے اللہ نے کناری مریم پر القا کیا۔" نجاشی نے سن کر ایک تنکا زمین سے اٹھایا اور کہا "خدایٰ کی قسم، جو کچھ تم نے کہا ہے عیسیٰ اس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔" اس کے بعد نجاشی نے قریش کے بیٹے جوئے تمام ہدیے کہہ کر واپس کر دیے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور ماہرین سے کہا کہ تم بالکل اطمینان کے ساتھ رہو۔

موضوع اور مضمون | اس تاریخی پس منظر کو نگاہ میں رکھ کر جب ہم اس سورے کو دیکھتے ہیں تو اس میں اولین بات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ اگرچہ مسلمان ایک مظلوم پناہ گزین گروہ کی حیثیت

سے اپنا وطن چھوڑ کر دوسرے ملک میں جا رہے تھے، مگر اس حالت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کے معاملے میں ذرہ برابر مداخلت کرنے کی تعلیم نہ دی، بلکہ چلتے وقت زوارہ کے طور پر یہ سورہ ان کے ساتھ کی تاکہ عیسائیوں کے ملک میں عیسیٰ علیہ السلام کی بالکل صحیح حیثیت پیش کریں اور ان کے بس اللہ ہونے کا صاف صاف انکار کریں۔

پہلے دور کو عول میں حضرت یحییٰ اور عیسیٰ کا قصہ سنانے کے بعد پھر تیسرے رکوع میں حالات زمانہ کی مناسبت سے حضرت ابراہیم کا قصہ سنایا گیا ہے کیونکہ ایسے ہی حالات میں وہ بھی اپنے باپ اور خاندان اور اہل ملک کے ظلم سے تنگ آ کر وطن سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ اس سے ایک طرف کفار ملک کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ آج ہجرت کرنے والے مسلمان ابراہیم کی پوزیشن میں ہیں اور تم لوگ ان ظالموں کی پوزیشن میں ہو جنہوں نے تمہارے باپ اور پیشوا ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے نکالا تھا۔ دوسری طرف صحابہ کو یہ بشارت دی گئی ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام وطن سے نکل کر تباہ نہ ہوئے بلکہ اور زیادہ سر بلند ہو گئے ایسا ہی انجام نیک تمہارا انتظار کرنا ہے۔

اس کے بعد چوتھے رکوع میں دوسرے انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام وہی دین لے کر آئے تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، مگر انبیاء کے گزر جانے کے بعد ان کی امتیں بگڑتی رہی ہیں اور آج مختلف امتوں میں جو گمراہیاں پائی جا رہی ہیں یہ اسی بگاڑ کا نتیجہ ہیں۔ آخری دور کو عول میں کفار ملک کی گمراہیوں پر سخت تنقید کی گئی ہے اور کلام ختم کرتے ہوئے اہل ایمان کو خذہ سنایا گیا ہے کہ دشمنان حق کی ساری کوششوں کے باوجود بالآخر تم محبوب مخلوق ہو کر رہو گے۔

آيَاتُهَا ۹۸ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ زَكَرَاتُهَا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 كَهٰیضٍ ۱ ذِكْرٌ رَّحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا ۲ اِذْ نَادٰی
 رَبَّهُ نِدَاً خَفِيًّا ۳ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهِنَ الْعِظْمِ مِنِّیْ وَاسْتَغْلَ
 الرَّاسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَاۤیِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۴ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ

ک، ا، اسی، ع، ص۔ ذکر ہے اُس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی،
 جبکہ اُس نے اپنے رب کو چپے چپے پکارا۔

اُس نے عرض کیا "اے پروردگار! میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک
 اٹھ ہے۔ اے پروردگار! میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا۔ مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی

۱۔ تعابیل کے لیے سورۃ آل عمران رکوع ۴۴ پیش نظر رہے جس میں یہ تصدیر سے الفاظ میں بیان ہو چکا ہے تفسیر القرآن

۱۶-۱۷ ص ۲۲۶-۲۵۰

۲۔ یہ حضرت زکریاؑ کا ذکر بیان ہو رہا ہے حضرت ہارون کے خاندان سے تھے۔ ان کی پوزیشن ٹھیک ٹھیک
 گھنے کے لیے ضروری ہے کہ بنی اسرائیل کے نظام کمانت (Priesthood) کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے فلسطین پر قابض
 ہونے کے بعد بنی اسرائیل نے ملک کا انتظام اس طرح کیا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد کے ۱۲ قبیلوں میں تو سارا ملک تقسیم
 کر دیا گیا، اور تیرھواں قبیلہ (یعنی لاوی بن یعقوب کا گھرانہ) مذہبی خدمات کے لیے مخصوص رہا پھر بنی لاوی میں سے بھی اصل
 وہ خاندان جو مقدس میں خداوند کے آگے بھر جانے کی خدمت اور پاک ترین چیزوں کی تقدیس کا کام کرتا تھا، حضرت ہارون
 کا خاندان تھا باقی دوسرے بنی لاوی مقدس کے اندر نہیں جاسکتے تھے بلکہ خداوند کے گھر کی خدمت کے وقت صحتوں اور
 کوششوں میں کام کرتے تھے، نسبت کے دن اور عیدوں کے موقع پر سو غنئی قربانیاں چڑھاتے تھے، اور مقدس کی نگرانی
 میں بنی ہارون کا ہاتھ بٹاتے تھے۔

بنی ہارون کے چوبیس خاندان تھے جو باری باری سے مقدس کی خدمت کے لیے حاضر ہوتے تھے۔ انہی خاندانوں
 میں سے ایک اہیابہ کا خاندان تھا جس کے سردار حضرت زکریاؑ تھے۔ اپنے خاندان کی باری کے دنوں میں یہی مقدس میں
 جاتے اور خداوند کے حضور بخور جلائے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو بائبل کی کتاب تواریخ

مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝
 يَرِيثُنِي وَيَرْثُ مِنْ اِلِ يَعْقُوبَ ۝ وَاَجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰرُكْبَانَا
 اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اِسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝
 قَالَ رَبِّ اَنۢى يَكُوْنُ لِيْ عُلْمٌ وَّكَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ
 مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓهِنَ وَّ قَدْ
 خَلَقْتِكَ مِنْ قَبْلُ وَاَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِيْ اٰيَةً ۝

بڑائیوں کا خوف ہے اور میری بیوی بانجھ ہے۔ تو مجھے اپنے فضل خاص سے ایک وارث عطا کر دے جو میرا
 وارث بھی ہو اور آل یعقوب کی میراث بھی پائے اور لے پروردگار اس کو ایک پسندیدہ انسان بنا۔
 (جواب دیا گیا) اے زکریا، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام بھی ہو گا۔ ہم نے
 اس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا۔

عرض کیا، ”پروردگار! بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر
 سوکھ چکا ہوں؟“

جواب ملا ”ایسا ہی ہو گا۔ تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لیے ایک ذرا سی بات ہے، آخر
 اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا۔“
 زکریا نے کہا، ”پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر دے۔“

اولیٰ باب ۲۲ (۲۳)

۲۳ مطلب یہ ہے کہ اسیاہ کے خاندان میں میرے بعد کوئی ایسا نظر نہیں آتا جو دینی اور اخلاقی حیثیت سے اس منصب
 کا اہل ہو جسے میں نبھانے ہوئے ہوں۔ آگے جو نسل اٹھتی نظر آرہی ہے اس کے لچھن گہرے ہوئے ہیں۔
 ۲۴ یعنی مجھے صرف اپنی ذات ہی کا وارث مطلوب نہیں ہے بلکہ خاندان یعقوب کی بھلائیوں کا وارث مطلوب ہے۔
 ۲۵ لوتالی انجیل میں الفاظ یہ ہیں: ”تیرے کہنے میں کسی کا یہ نام نہیں“ (۶۱:۱)

قَالَ اَيْتَكَ اَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهِ
مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝

فرمایا "تیرے لیے نشانی یہ ہے کہ تو سیم تین دن لوگوں سے بات نہ کر کے۔"

چنانچہ وہ محراب سے نکل کر اپنی قوم کے سامنے آیا اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت

کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔

۵۶ حضرت زکریا کے اس سوال اور فرشتے کے جواب کو نگاہ میں رکھیے، کیونکہ آگے چل کر حضرت مریم کے قصے میں

پھر یہی مضمون آ رہا ہے اور اس کا جو مفہوم یہاں ہے وہی وہاں بھی ہونا چاہیے۔ حضرت زکریا نے کہا کہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی
بانجھ ہے، میرے ہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے۔ فرشتے نے جواب دیا کہ "ایسا ہی ہوگا" یعنی تیرے بڑھاپے اور تیری بیوی کے بانجھ ہونے
کے باوجود تیرے ہاں لڑکا ہوگا۔ اور پھر اس نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا حوالہ دیا کہ جس خدا نے تجھے نیست سے هست کیا اس کی قدرت
سے یہ بات بعید نہیں ہے کہ تجھ جیسے شیخ فانی سے ایک ایسی عورت کے ہاں اولاد پیدا کر دے جو عمر بھر بانجھ رہی ہے۔

۵۷ عرب کی تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۳۶

۵۸ اس واقعے کی جو تفصیلات لوٹا کی انجیل میں بیان ہوئی ہیں انہیں ہم بیان نقل کر دیتے ہیں تاکہ لوگوں کے سامنے

قرآن کی روایت کے ساتھ سچی روایت بھی رہے۔ درمیان میں تو سیم کی عبارتیں ہماری اپنی ہیں:

"یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کے زمانے میں (ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد دوم، بنی اسرائیل،

حاشیہ ۱۹) ایساہ کے فریق سے زکریا نام کا ایک کاہن تھا اور اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی

اور اس کا نام الیشیع (Elizabeth) تھا۔ اور وہ دونوں خدا کے حضور استباز اور خداوند کے سب

احکام و قوانین پر بے عیب چلنے والے تھے۔ اور ان کے اولاد نہ تھی کیونکہ الیشیع یا نجیحی اور وہ دونوں

عمر رسیدہ تھے۔ جب وہ خدا کے حضور اپنے فریق کی باری پر کثرت کا کام انجام دیتا تھا تو ایسا ہوا کہ

کثرت کے دستور کے موافق اس کے نام کا قرعہ نکلا کہ خداوند کے مقدس میں جا کر خوشبو جلائے اور

لوگوں کی ساری جماعت خوشبو جلاتے وقت باہر دھا کر رہی تھی کہ خداوند کا فرشتہ خوشبو کے تدبیر کی

دہنی طرف کھڑا ہوا اس کو دکھائی دیا۔ اور زکریا یہ دیکھ کر گھبرا یا اور اس پر دہشت چھا گئی۔ مگر فرشتے نے

اس سے کہا اے زکریا! خوف نہ کر کیونکہ تیری دعائیں لی گئی ہیں اور حضرت زکریا کی دعا کا ذکر بائبل میں کہیں نہیں

ہے اور تیرے لیے تیری بیوی الیشیع کے مٹیا ہوگا۔ تو اس کا نام یوستا (یعنی یحییٰ) رکھنا اور تجھے خوشی د

خبری ہوگی اور بہت سے لوگ اس کی پیدائش کے سبب خوش ہوں گے کیونکہ وہ خداوند کے حضور میں بزرگ

لِيَحْيِيَ خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا ۝۱۷ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا

”اے یحییٰ! کتاب الہی کو مضبوطی سے پکڑ لے۔“

ہم نے اسے بچپن ہی میں ”حکم“ سے نوازا، اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی

ہو گا (سورۃ آل عمران میں اس کے لیے لفظ صَبِيحًا استعمال ہوا ہے) اور ہرگز نہ لے اور نہ کوئی اور شرا پیتے گا (تَقِيَّتًا) اور اپنی ماں کے بطن ہی سے روح القدس سے بھر جائے گا (وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيحًا) اور بہت سے نبی اسرائیل کو خداوند کی طرف جو ان کا خدا ہے پھیرے گا۔ اور وہ ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کی روح اور قوت میں اس کے آگے آگے چلے گا کہ والدوں کے دل اولاد کی طرف اور نافرمانوں کو راستبازوں کی دانائی پر چلنے کی طرف پھیرے اور خداوند کے لیے ایک مستعد قوم تیار کرے۔

”ذکر یاہ نے فرشتے سے کہا میں اس بات کو کس طرح جانوں؟ کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی عمر رسیدہ ہے۔ فرشتے نے اس سے کہا میں اسرائیل ہوں جو خدا کے حضور کھڑا رہتا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھ سے کلام کروں اور تجھے ان باتوں کی خوشخبری دوں۔ اور دیکھ جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہوں تو چپکار رہے گا اور بول نہ سکے گا اس لیے کہ تو نے میری باتوں کا جو اپنے وقت پر پوری بیوں کی یقین نہ کیا۔ (یہ بیان قرآن سے مختلف ہے۔ قرآن اسے نشانی قرار دیتا ہے اور نوحا کی روایت سے سزاگتھی ہے۔ نیز قرآن صرف تین دن کی خاموشی کا ذکر کرتا ہے اور نوحا کہتا ہے کہ اس وقت سے حضرت یحییٰ کی پیدائش تک حضرت زکریا کو گنگے رہے) اور لوگ ذکر یاہ کی راہ دیکھتے اور تعجب کرتے تھے کہ اسے مقدس میں کیوں دیر لگی۔ جب وہ باہر آیا تو ان سے بولی نہ سکا۔ پس انہوں نے معلوم کیا کہ اس نے مقدس میں رو یا دیکھی ہے اور وہ ان سے انٹار سے کرتا تھا اور گونگا ہی رہا۔“ (نوحا۔ باب ۱۱ آیت ۵ تا ۲۲)

۱۷۔ یحییٰ میں یہ تفصیل چھوڑ دی گئی ہے کہ اس فرمان الہی کے مطابق حضرت یحییٰ پیدا ہوئے اور جوانی کی عمر کو پہنچے سب یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب وہ سن رشد کو پہنچے تو کیا کام ان سے لیا گیا۔ یہاں صرف ایک فقرے میں اس مشن کو بیان کر دیا گیا ہے جو منصب نبوت پر مامور کرتے وقت ان کے سپرد کیا گیا تھا۔ یعنی وہ توراہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہوں اور بنی اسرائیل کو اس پر قائم کرنے کی کوشش کریں۔

۱۸۔ ”حکم“ یعنی قوت فیصلہ، قوت اجتہاد، تفقہ فی الدین، معاملات میں صحیح راستے قائم کرنے کی صلاحیت اور اللہ کی طرف سے معاملات میں فیصلہ دینے کا اختیار۔

۱۹۔ اصل میں لفظ حَنَان استعمال ہوا ہے جو قریب قریب مانٹا کا ہم معنی ہے۔ یعنی ایک ماں کو جو غایت درجے

وَزَكُوٰةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴
وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵

اور پاکیزگی عطا کی، اور وہ بڑا پرہیزگار اور اپنے والدین کا حق شناس تھا۔ وہ جبار نہ تھا اور نہ نافرمان
سلام اُس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔

کی شفقت اپنی اولاد پر ہوتی ہے، جس کی بنا پر وہ بچے کی تکلیف پر تڑپ اٹھتی ہے، وہ شفقت حضرت یحییٰ کے دل میں بنا کر
خدا کے لیے پیدا کی گئی تھی۔

۱۲ حضرت یحییٰ کے جو حالات مختلف انجیلوں میں لکھے ہوئے ہیں انہیں جمع کر کے ہم یہاں ان کی سیرت پاک
کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جس سے سورہ آل عمران اور اس سورے کے مختصر اشارات کی توضیح ہوگی۔

لوقا کے بیان کے مطابق حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ سے ۶ مہینے بڑے تھے۔ ان کی والدہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ آپس
میں قریبی رشتہ دار تھیں۔ تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں وہ نبوت کے منصب پر عملاً مامور ہوئے اور یوحنا کی روایت کے مطابق انہوں
نے مشرق اُردوں کے علاقے میں دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا۔ وہ کہتے تھے:

”میں یہاں میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو“ (یوحنا: ۱: ۲۳)

مقدس کا بیان ہے کہ وہ لوگوں سے گناہوں کی توبہ کرتے تھے اور توبہ کرنے والوں کو بتیسرے دیتے تھے، یعنی توبہ کے بعد غسل
کراتے تھے تاکہ روح اور جسم دونوں پاک ہو جائیں۔ یہودیہ اور یروشلم کے بکثرت لوگ ان کے مفتقد ہو گئے تھے اور ان کے پاس
جا کر تیسرے لیتے تھے (مقدس: ۱: ۴۵-۵)۔ اسی بنا پر ان کا نام یوحنا بتیسرہ دینے والا (John The Baptist) مشہور ہو گیا
تھا۔ عام طور پر بنی اسرائیل ان کی نبوت تسلیم کر چکے تھے (متی: ۲۱: ۲۶)۔ مسیح علیہ السلام کا قول تھا کہ ”جو عورتوں سے پیدا ہوئے
ہیں ان میں یوحنا بتیسرہ دینے والے سے بڑا کوئی نہیں ہوا“ (متی: ۱۱: ۱۱)

وہ اونٹ کے بالوں کی پوشاک پہنے اور چمڑے کا چمڑا کرے بانہ سے رہتے تھے اور ان کی خوراک ٹنڈیاں اور جنگلی شہد تھا
(متی: ۲۳: ۴)۔ اس فقیرانہ زندگی کے ساتھ وہ منادی کرتے پھرتے تھے کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی قریب آگئی ہے“ (متی: ۳: ۲)
یعنی مسیح علیہ السلام کی دعوت نبوت کا آغاز ہونے والا ہے۔ اسی بنا پر ان کو عموماً حضرت مسیح کا ”ارہام“ کہا جاتا ہے، اور یہی بات
ان کے متعلق قرآن میں کہی گئی ہے کہ هٰصَلِّتَ قَائِمًا يَكَلِّمُهُمُ مِنَ اللّٰهِ (آل عمران: ۳۹)

وہ لوگوں کو روزے اور نماز کی تلقین کرتے تھے (متی: ۹: ۱۴-۱۵)۔ لوقا: ۵: ۲۳-۲۴)۔ وہ لوگوں سے کہتے تھے کہ
”میں کے پاس دو کرتے ہوں وہ اُس کو جس کے پاس نہ ہو یا نٹ دے اور جس کے پاس کھانا ہو وہ بھی ایسا ہی کرے“۔ محصول
لینے والوں نے پوچھا کہ اُستاد ہم کیا کریں تو انہوں نے فرمایا ”جو تمہارے لیے مقرر ہے اس سے زیادہ نہ لینا“۔ سچا ہونے
پر چہا ہمارے لیے کیا بابت ہے؟ فرمایا ”دکھی پر ظلم کرو اور نہ ناحق کسی سے کچھ لو اور اپنی تنخواہ پر کفایت کرو“ (لوقا: ۱۰: ۱۱-۱۲)۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۖ
فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا

اور اے محمدؐ، اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو، جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر
شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھی۔ اس حالت میں ہم نے
اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی

بنی اسرائیل کے بڑے ہوئے علماء فریسی اور صدوقی ان کے پاس تہنید لینے آئے تو ڈانٹ کر فرمایا "اے سانپ کے بچو تم لوگوں نے
بتنا دیا کہ آئے دے غضب سے بھاگو؟..... اپنے دلوں میں یہ کلمہ کا خیال نہ کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے..... اب درختوں کی جڑوں پر
کھڑا رکھا ہوا ہے، پس ہر درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے" (مثنیٰ ۳: ۷۰-۱۰۰)۔

ان کے بعد کا یہودی فرمانروا، ہیرودا بیٹی یاس، جس کی ریاست میں وہ دعوتِ حق کی خدمت انجام دیتے تھے، ہر تیار پاری
تندیب میں غرق تھا اور اس کی وجہ سے سارے ملک میں فسق و فجور پھیل رہا تھا۔ اس نے خود اپنے بھائی فلپ کی بیوی ہیرودیاں کو
اپنے گھر میں ڈال رکھا تھا۔ حضرت یحییٰ نے اس پر ہیرودیاں کو ملامت کیا اور اس کی فاسقانہ حرکات کے خلاف آواز اٹھائی۔ اس جرم میں
ہیرودیاں نے ان کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا۔ تاہم وہ ان کو ایک مقدس اور راستہ باز آدمی جان کر ان کا احترام بھی کرتا تھا اور پبلک میں ان
کے غیر معمولی اثر سے ڈرتا بھی تھا۔ لیکن ہیرودیاں نے سمجھتی تھی کہ یہ بھی علیہا السلام جو اخلاقی روحِ قوم میں پھونک رہے ہیں وہ لوگوں کی
نگاہ میں اس جیسی پورتوں کو ذلیل کیے دے رہی ہے۔ اس لیے وہ ان کی جان کے درپے ہو گئی۔ آخر کار ہیرودیاں کی سالگرہ کے جشن میں
اس نے وہ موقع پایا جس کی وہ تاک میں تھی۔ سیشن کے دربار میں اس کی بیٹی نے خوب رقص کیا جس پر خوش ہو کر ہیرودیاں نے کہا مانگ
کیا مانگتی ہے۔ بیٹی نے اپنی فاسقانہ ماں سے پوچھا کیا مانگوں؟ ماں نے کہا کہ جو بھی مانگ لے سہنا چھ اس نے ہیرودیاں کے سامنے ہاتھ
باندھ کر عرض کیا مجھے بوسنا بیہوش دینے والے کا سر ایک تھال میں رکھو اگر ابھی منگوا دیجیے ہیرودیاں نے سن کر بہت غمگین ہوا، مگر غم
کی بیٹی کا تقاضا کیسے رد کر سکتا تھا۔ اس نے فوراً قید خانے سے یحییٰ علیہ السلام کا سر کٹوا کر منگوا لیا اور ایک تھال میں رکھوا کر
رقاص کی نذر کر دیا (مثنیٰ ۱۴: ۳۱-۳۲، ۱۳: ۱۲-۱۳، ۱۲: ۶-۷، ۱۲: ۲۹-۳۰، لوقا ۱۹: ۱۹-۲۰)۔

۱۳۔ مقابل کے لیے تفسیر القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۴۷، ۵۵، النساء، حاشیہ ۱۹۰-۱۹۱۔

۱۴۔ سورۃ آل عمران میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مریم کی والدہ نے اپنی مانی ہوئی نذر کے مطابق ان کو بیت المقدس میں
عبادت کے لیے بٹھا دیا تھا اور حضرت زکریاؑ نے ان کی حفاظت و کفالت اپنے ذمے لے لی تھی۔ وہاں یہ ذکر بھی کر چکا ہے کہ حضرت مریم
بیت المقدس کی ایک محراب میں منگت ہو گئی تھیں۔ اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ محراب جس میں حضرت مریم منگت تھیں
بیت المقدس کے شرقی حصے میں واقع تھی اور انہوں نے منگتھیں کے عام طریقے کے مطابق ایک پردہ لٹکا کر اپنے آپ کو دیکھنے

بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾ قَالَتْ اِنِّي اَعُوذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتُ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾
 قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلٌ سَرِيْبٌ لَّا هَبَ لَكَ عُلْمًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اِنِّي
 يَكُوْنُ لِيْ عُلْمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكْ يَغِيًّا ﴿۲۰﴾ قَالَ كَذٰلِكَ
 قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلٰى هٰٓئِيْنَ ۗ وَّلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۗ

شکل میں نمودار ہو گیا۔

مریم بیکایک بول اٹھی کہ ”اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے عین کی پناہ مانگتی ہوں۔“
 اُس نے کہا ”میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک
 پاکیزہ لڑکا دوں۔“

مریم نے کہا ”میرے ہاں کیسے لڑکا ہوگا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھو اتنا نہیں ہے اور میں
 کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔“

فرشتے نے کہا ”ایسا ہی ہوگا، تیرا رب فرماتا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے۔ او
 ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اُس لڑکے کو لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت۔“

والوں کی نگاہوں سے محفوظ کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے محض یا نبیل کی ہوا نقت کی خاطر کائنات بشریت سے مراد نامرہ لیا ہے انہوں نے غلطی کی
 ہے، کیونکہ نامرہ پر دہلم کے شمال میں ہے نہ کہ مشرق میں۔

۱۵ جیسا کہ ہم جانشینہ نمبر ۶ میں اشارہ کر آئے ہیں، حضرت مریم کے استعجاب پر فرشتے کا یہ کہنا کہ ”ایسا ہی ہوگا“، برگز اس
 معنی میں نہیں ہو سکتا کہ بشریت کو چھوٹے گا اور اس سے تیرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تیرے ہاں لڑکا ہوگا اور جو
 اس کے کہ تجھے کسی بشر نے نہیں چھوچا ہے۔ اور پرانی الفاظ میں حضرت زکریا کا استعجاب نقل ہو چکا ہے اور وہاں بھی فرشتے نے یہی جواب
 دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مطلب اس جواب کا وہاں ہے وہی یہاں بھی ہے۔ اس طرح سورہ ذاریات، آیات ۲۸-۳۰ میں جب فرشتہ
 حضرت ابراہیم کو پیشے کی بشارت دیتا ہے اور حضرت سارہ کو کہتی ہیں کہ مجھ بوڑھی بانجھ کے ہاں بیٹا کیسے ہوگا تو فرشتہ اُن کو جواب دیتا ہے
 کہ کئی لاش ایسا ہی ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد بڑھاپے اور یا تجھ میں کے باوجود ان کے ہاں اولاد ہونا ہے۔ علاوہ بریں اگر
 کئی لاش کا مطلب یہ لے لیا جائے کہ بشریت کو چھوٹے گا اور تیرے ہاں اسی طرح لڑکا ہوگا جیسے دنیا بھر کی عورتوں کے ہاں ہوا کرتا ہے،
 تو پھر بعد کے دونوں فقرے بالکل بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کہنے کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ تیرا رب کہتا ہے کہ ایسا

وَكَانَ أَهْرًا مَقْضِيًّا ۝۳۱ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَدَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۳۲
فَاجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ
هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مَنْسِيًّا ۝۳۳ فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَا تَحْزَنِي قَدْ
جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۳۴ وَهَرَمَيْتِي إِلَيْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسْقِطُ عَلَيْكَ

اور یہ کام ہو کر رہتا ہے۔

مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئی پھر
زچگی کی تکلیف نے اُسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگی ”کاش میں اس سے
پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام نشان نہ رہتا“ فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا ”غم نہ کر تیرے
رہنے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔ اور تو ذرا اس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر تو رزق آ رہا

کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور یہ کہ ہم اس روکے کو ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ نشانی کا لفظ یہاں مریمؑ کو اشارے کے معنی میں استعمال
ہوا ہے اور اسی معنی پر یہ فقرہ بھی دلالت کرتا ہے کہ ”ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے لہذا اس ارشاد کا مطلب بجز اس کے اور
کچھ نہیں ہے کہ ہم اس روکے کی ذات ہی کو ایک مجرے کی حیثیت سے نبی اسرائیل کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ بعد کی تفصیلات
اس بات کی خود تشریح کر رہی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات کو کس طرح مجرہ بنا کر پیش کیا گیا۔

۱۶ دور کے مقام سے مراد بیت لحم ہے حضرت مریم کا اپنے احکام سے نکل کر وہاں جانا ایک فطری امر تھا یعنی اسرائیل
کے مقدس ترین گھرانے نبی ہارون کی لڑکی، اور پھر وہ جو بیت المقدس میں خدایا کی عبادت کے لیے وقف ہو کر بیٹھی تھی، یکایک حاملہ ہو گئی۔
اس حالت میں اگر وہ اپنی جلسے احتکاف پر بیٹھی رہتی اور ان کا حمل لوگوں پر ظاہر ہو جاتا تو خاندان والے ہی نہیں، قوم کے دوسرے
لوگ بھی ان کا جینا مشکل کر دیتے۔ اس لیے بیماری اس شدید آزار میں مبتلا ہونے کے بعد خاموشی کے ساتھ اپنے احکام کا تجرہ
چھوڑ کر نکل کھڑی ہوئیں تاکہ جب تک اللہ کی مرضی پوری ہو، قوم کی لعنت ملامت اور عام بدنامی سے تو بچی رہیں۔ یہ واقعہ بجائے
خود اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اگر وہ شادی شدہ ہوتیں اور شوہر ہی سے
ان کے ہاں بچہ پیدا ہو رہتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بچے اور سسرال، سب کو چھوڑ چھاڑ کر وہ زچگی کے لیے تنہا ایک دہروراز
مقام پر پہل جاتیں۔

۱۷ ان الفاظ سے اُس پر نشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس میں حضرت مریم اس وقت مبتلا تھیں۔

رُطْبًا جَنِيًّا ﴿٢٥﴾ فَكُلُوا وَاشْرَبُوا وَاقْرَأُوا عَيْنًا قَامَاتَيْنِ مِنَ الْبَشَرِ
 أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾
 فَاتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾
 يَا أُخْتُ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَعْثًا ۖ

کھجوریں ٹپک پڑیں گی پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے
 کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانا ہے اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔

پھر وہ اس بچے کو لیے ہوئے اپنی قوم میں آئی۔ لوگ کہنے لگے "اے مریم، یہ تو تو نے بڑا پاپ
 کر ڈالا۔ اے ہارون کی بہن، نہ تیرا پاپ کوئی بڑا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی۔"

ملاحظہ رہے تو ہر شخص کچھ سکتا ہے کہ ان کی زبان سے یہ الفاظ در روزہ کی تکلیف کی وجہ سے نہیں نکلے تھے، بلکہ یہ فکر ان کو کھائے جا رہی
 تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس نظر ناک آرائش میں نہیں ڈالا ہے اس سے کس طرح بجز سیرت عمدہ برآ ہوں۔ محل کو تو اب تک کسی کسی
 طرح چھپا لیا۔ اب اس بچے کو کہاں لے جائیں۔ بعد کا یہ فقرہ کفر شتے نے ان سے کہا "غم نہ کرو" اس بات کو واضح کر رہا ہے کہ حضرت
 مریم نے یہ الفاظ کیوں کہے تھے۔ شادی شدہ لڑکی کے ہاں جب پہلا بچہ پیدا ہو رہا ہو تو وہ چاہے تکلیف سے کتنی ہی زبردی، اُسے
 رنج و غم کبھی لاحق نہیں ہو سکتا۔

۱۸ مطلب یہ ہے کہ بچے کے معاملے میں تجھے کچھ بولنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی پیدائش پر جو کوئی بھی عرض ہو اس
 کا جواب اب ہمارے ذمے ہے (واضح رہے کہ نبی اسرائیل میں چپ کا روزہ رکھنے کا طریقہ رائج تھا)۔ یہ الفاظ بھی صاف بتا رہے ہیں
 کہ حضرت مریم کو اصل پریشانی کیا تھی۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شادی شدہ لڑکی کے ہاں پہلوئی کا بچہ اگر دنیا کے معبود طریقہ پر پیدا
 ہو تو آخر اسے چپ کا روزہ رکھنے کی کیا ضرورت پیش آ سکتی ہے؟

۱۹ ان الفاظ کے ذمہ مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں ظاہری معنی میں لیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ حضرت مریم کا
 کوئی بھائی ہارون نامی ہو۔ دوسرے یہ کہ عربی محاورے کے مطابق "اخوت ہارون کے معنی ہارون کے خاندان کی لڑکی" ایسے جائیں کہ چونکہ
 عربی میں یہ ایک معبود طرز بیان ہے۔ مثلاً قبیلہ "مضر" کے آدمی کو یا "انحاصمصر" (اسے مضر کے بھائی) اور قبیلہ "ہمدان" کے آدمی کو
 یا "انحاصمدان" (اسے ہمدان کے بھائی) کہا کرتے ہیں۔ پہلے معنی کے حق میں دلیل ترجیح یہ ہے کہ بعض روایات میں خود نبی
 صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معنی منقول ہوئے ہیں۔ اور دوسرے معنی کی تائید میں دلیل یہ ہے کہ موقع و محل اس معنی کا تقاضا کرتا ہے۔
 کیونکہ اس واقعہ سے قوم میں جو بیجان برپا ہوا تھا اس کی وجہ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہارون نامی ایک گناہ مند شخص کی کنواری بہن

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ
إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ قَدِ اثْنَيْنَا الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا

مریم نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

لوگوں نے کہا: ”ہم اس سے کیا بات کریں جو گہوارے میں پڑا ہوا ایک بچہ ہے؟“

بچہ بول اٹھا ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا، اور بابرکت کیا

گو میں بچہ بیٹے ہوئے آئی تھی، بلکہ جس چیز نے لوگوں کا ایک ہجوم حضرت مریم کے گرد جمع کر دیا تھا وہ یہی ہو سکتی تھی کہ نبی اسرائیل کے منفرد ترین گھرانے، خاتونِ ہارون کی ایک لڑکی اس حالت میں پائی گئی۔ اگرچہ ایک حدیث مرفوعہ کی موجودگی میں کوئی دوسری تاویل اصولاً قابلِ لحاظ نہیں ہو سکتی، لیکن مسلم، نسائی اور ترمذی وغیرہ میں یہ حدیث جن الفاظ میں نقل ہوئی ہے اس سے یہ مطلب نہیں نکلتا کہ ان الفاظ کے معنی لازماً ”ہارون کی بہن“ ہی ہیں۔ مخیر بن شعبہ کی روایت میں جو کچھ بیان ہو ہے وہ یہ ہے کہ نجران کے عیسائیوں نے حضرت مغیرہ کے سامنے یہ اعتراض پیش کیا کہ قرآن میں حضرت مریم کو ہارون کی بہن کہا گیا ہے، حالانکہ حضرت ہارون ان سے سینکڑوں برس پہلے گزر چکے تھے۔ حضرت مغیرہ ان کے اس اعتراض کا جواب نہ دے سکے اور انہوں نے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ ماجرا عرض کیا۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ ”تم نے یہ جواب کیوں نہ دے دیا کہ نبی اسرائیل اپنے نام انبیاء اور صلحاء کے نام پر رکھتے تھے“، حضور کے اس ارشاد سے مراد یہ بات نکلتی ہے کہ لا جواب ہونے کے بجائے یہ جواب دے کر اعتراض رفع کیا جاسکتا تھا۔

۱۹ الف جو تک حضرت عیسیٰ کی مہر انہ پیدائش کے منکر ہیں وہ آخر اس بات کی کیا معقولی توجیہ کر سکتے ہیں کہ حضرت

مریم کے بچہ بیٹے ہوئے آنے پر قوم کیوں چڑھ کر آئی اور ان پر یہ طعن اور ملامت کی بوجھاڑ اس نے کیوں کی؟

۲۰ الف قرآن کی معنوی تخریج کرنے والوں نے اس آیت کا یہ مطلب لیا ہے کہ ہم اس سے کیا بات کریں جو کل کا بچہ ہے؟

یعنی ان کے نزدیک یہ گفتگو حضرت عیسیٰ کی ہوانی کے زمانے میں ہوئی اور نبی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں نے کہا کہ بھلا اس لڑکے سے کیا بات کریں جو کل ہمارے سامنے گہوارے میں پڑا ہوا تھا۔ مگر جو شخص موقع و محل اور سابق و سابق پر کچھ بھی غور کرے گا وہ محسوس کرنے کا کہ یہ محض ایک مہمل تاویل ہے جو معجزے سے بچنے کے لیے کی گئی ہے۔ اور کچھ نہیں تو ظالموں نے ہی سوچا ہوتا کہ میں بات پر اعتراض کرنے کے لیے وہ لوگ آئے تھے وہ تو بچے کی پیدائش کے وقت پیش آئی تھی نہ کہ اس کے جوان ہونے کے وقت۔ علاوہ بریں سورہ آل عمران کی آیت ۴۶، اور سورہ مائدہ کی آیت ۱۰۱ دونوں اس بات کی قطعی صراحت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے یہ کلام جو انی میں نہیں بلکہ گہوارے میں ایک نوزائیدہ بچے کی حیثیت ہی سے کیا تھا۔ پہلی آیت میں فرشتہ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دیتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرے گا اور جوان ہو کر بھی۔ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ خود

اِنَّ مَا كُنْتُ وَاَوْصِيْتُ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّكْوِيۡمِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱
 وَبَرًّا بِوَالِدِيۡنِۦٓ وَ لَمْ يَجْعَلْنِيۡ جَبَّارًا شَقِيۡمًا ۝۳۲ وَالسَّلَامُ عَلٰٓى يَوْمِ
 وُلِدْتُ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ ذٰلِكَ عِيۡسَى ابْنُ
 مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيۡ فِيْهِ يَمْتَرُوۡنَ ۝۳۴ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ
 مِنْ وَّلَدٍۭ سُبْحٰنَهُ ۙ اِذَا قَضٰى اَمْرًاۙ فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوۡنُ ۝۳۵

جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں، اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبار اور شقی نہیں بنایا۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کر کے اٹھایا جاؤں۔

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں۔ اللہ کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ذات ہے۔ وہ جب کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو کتنا ہے کہ ہو جا، اور میں وہ ہو جاتی ہوں۔

حضرت عیسیٰ سے فرماتا ہے کہ تو لوگوں سے گوارے میں بھی بات کرتا تھا اور جانی میں بھی۔

۳۱۔ یہ نہیں فرمایا کہ والدین کا حق ادا کرنے والا۔ صرف والدہ کا حق ادا کرنے والا فرمایا ہے۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت عیسیٰ کا باپ کوئی نہ تھا۔ اور اسی کی ایک صریح دلیل یہ ہے کہ قرآن میں ہر جگہ ان کو عیسیٰ ابن مریم کہا گیا ہے۔
 ۳۲۔ یہ وہ نشانی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات میں بنی اسرائیل کے سامنے پیش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کی مسلسل بدکرداریوں پر عبرتناک سزا دینے سے پہلے ان پر رحمت تمام کرتا چاہتا تھا۔ اس کے لیے اس نے یہ تدبیر فرمائی کہ بنی ہارون کی ایک ایسی زابدہ دعا بدہ لڑی کہ جو بیت المقدس میں مشکلت اور حضرت زکریا کے زبیر زبیرت تھی، دو شہزادی کی حالت میں حاملہ کر دیا تاکہ جب وہ بچہ لیے ہوئے آئے تو ساری قوم میں ہیجان برپا ہو جائے اور لوگوں کی توجہات یکجہت اس پر مرکوز ہو جائیں۔ پھر اس تدبیر کے نتیجے میں جب ایک ہجوم حضرت مریم پر ٹوٹ پڑا تو اللہ تعالیٰ نے اس نوزائیدہ بچے سے کلام کر لیا تاکہ جب یہی بچہ بڑا ہو کر نبوت کے منصب پر مقرر ہو تو قوم میں ہزاروں آدمی اس امر کی شہادت دینے والے موجود رہیں کہ اس کی شخصیت میں وہ اللہ تعالیٰ کا ایک جبرت انگیز معجزہ دیکھ چکے ہیں۔ اس پر بھی جب یہ قوم اس کی نبوت کا انکار کرے اور

وَإِنَّ اللَّهَ سَرِيٌّ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۳۱﴾
 فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ
 مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۲﴾ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ
 الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۳﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ
 الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۴﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ

دفع لازم

(اور عیسیٰ نے کہا تھا کہ) ”اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی پس تم اس کی بندگی کرو“
 یہی سیدھی راہ تھی۔ مگر پھر مختلف گروہ باہم اختلاف کرنے لگے۔ سو جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے
 وہ وقت بڑی تباہی کا ہو گا جبکہ وہ ایک بڑا دن دیکھیں گے۔ جب وہ ہمارے سامنے حاضر ہوں گے
 اُس روز تو ان کے کان بھی خوب سن رہے ہوں گے اور ان کی آنکھیں بھی خوب دیکھنی ہوں گی مگر آج یہ ظالم
 کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اے محمد! اس حالت میں جبکہ یہ لوگ غافل ہیں اور ایمان نہیں لارہے ہیں،
 انہیں اس دن سے ڈرا دو جبکہ فیصلہ کر دیا جائے گا اور کھپتا سے کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو گا۔ آخر کار ہم ہی زمین

اس کی پیروی قبول کرنے کے بجائے اسے حرم بنا کر صلیب پر چڑھانے کی کوشش کرے تو پھر اس کو ایسی عین زناک سزا دی جائے جو
 دنیا میں کسی قوم کو نہیں دی گئی۔ (مزمز بشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۴۲، ۵۳۔ النساء، حاشیہ ۲۱۳
 ۲۱۳۔ جلد سوم، الانبیاء، حاشیہ ۸۸-۸۹-۹۰۔ المؤمنون، حاشیہ ۴۲۔)

۵۲۲ بیان تک جو بات عیسائیوں کے سامنے واضح کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ابن اللہ
 ہونے کا جو عقیدہ انہوں نے اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے۔ جس طرح ایک حجرے سے حضرت یحییٰ کی پیدائش نے ان کو خدا کا
 بیٹا نہیں بنا دیا اسی طرح ایک دوسرے حجرے سے حضرت عیسیٰ کی پیدائش بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر انہیں خدا کا
 بیٹا قرار دے دیا جائے۔ عیسائیوں کی اپنی روایات میں بھی یہ بات موجود ہے کہ حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ، دونوں ایک
 ایک طرح کے حجرے سے پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ لوزناکی انجیل میں قرآن ہی کی طرح ان دونوں معجزوں کا ذکر ایک سلسلہ بیان
 میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہ عیسائیوں کا غلو ہے کہ وہ ایک حجرے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بندہ کہتے ہیں اور دوسرے
 حجرے سے پیدا ہونے والے کو اللہ کا بیٹا بنا بیٹھے ہیں۔



وَمَنْ عَلَيْهَا وَارِثًا يَرْجِعُونَ ﴿۵۱﴾ وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ
كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۵۲﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا
لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿۵۳﴾ يَا أَبَتِ إِنِّي

اور اس کی ساری چیزوں کے وارث ہوں گے اور سب ہماری طرف ہی پلٹائے جائیں گے۔
اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کر دے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا۔
(انہیں ذرا اُس موقع کی یاد دلاؤ) جبکہ اُس نے اپنے باپ سے کہا کہ ”ابا جان! آپ کیوں ان چیزوں
کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان! میرے

۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ یہاں عیسائیوں کو بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی وہی تھی جو تمام دوسرے انبیاء علیہم السلام
نے کر آئے تھے۔ انہوں نے اس کے سوا کچھ نہیں سکھایا تھا کہ صرف خدا کے واحد کی بندگی کی جائے۔ اب یہ جو تم نے ان کو بندے
کے بجائے خدا بنا لیا ہے اور انہیں عبادت میں اللہ کے ساتھ شریک کر رہے ہو، یہ تمہاری اپنی ایجاد ہے۔ تمہارے پیشوا کی
یہ تعلیم ہرگز نہیں تھی۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے القرآن جلد اول، آل عمران، حاشیہ ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، جلد چہارم
الذخرف حاشیہ ۵۷-۵۸-۵۹)

۵۴۔ یعنی عیسائیوں کے گروہ۔

۵۵۔ یہاں وہ تقریر ختم ہوئی ہے جو عیسائیوں کو سنانے کے لیے نازل فرمائی گئی تھی۔ اس تقریر کی عظمت کا صحیح اندازہ
اُس وقت ہو سکتا ہے جبکہ آدمی اس کو پڑھنے وقت وہ تاریخی پس منظر نگاہ میں رکھے جو ہم نے اس سورے کے دیباچے میں بیان
کیا ہے۔ یہ تقریر اُس موقع پر نازل ہوئی تھی جبکہ مکہ کے مظلوم مسلمان ایک عیسائی سلطنت میں پناہ لینے کے لیے جا رہے تھے،
اور اس غرض کے لیے نازل کی گئی تھی کہ جب وہاں مسیح کے متعلق اسلامی حقائق کا سوال چھڑے تو یہ ”سرکاری بیان“ عیسائیوں
کو سنا دیا جائے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس امر کا ہو سکتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو کسی حال میں بھی حق و صداقت کے
معاملے میں ملامت برتنا نہیں سکھایا ہے۔ پھر وہ پچھے مسلمان جو حبش کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، ان کی توثیق ایمانی
بھی حیرت انگیز ہے کہ انہوں نے عین دربار شاہی میں ایسے نازک موقع پر اٹھ کر یہ تقریر سنائی جبکہ نجاشی کے تمام اہل دربار
رشوت کھا کر انہیں ان کے دشمنوں کے سپرد کر دینے پر تامل گئے تھے۔ اُس وقت اس امر کا پورا خطرہ تھا کہ مسیحیت کے بنیادی
مغفاندہ پر اسلام کا یہ لاک تھروہ کس کر نجاشی بھی گبڑ جائے گا اور ان مظلوم مسلمانوں کو قریش کے قصابوں کے حوالے کر دے گا۔
مگر اس کے باوجود انہوں نے گلہ حق نہیں کرنے میں ذرہ برابر تامل نہ کیا۔

قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝۳۳
 يَا بَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ۝۳۴
 يَا بَتِ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ
 وَلِيًّا ۝۳۵ قَالَ أَرَأَيْتَ أَنْتَ عَنْ الْإِهِتَىٰ لِيَأْبُرْهُيْمُ لَئِنْ لَمْ تَنْتَهُ
 لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝۳۶ قَالَ سَلِمٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُكَ رَبِّي

پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، آپ میرے پیچھے چلیں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا۔
 ابا جان! آپ شیطان کی بندگی نہ کریں، شیطان تو رحمن کا نافرمان ہے۔ ابا جان، مجھے ڈر ہے کہ
 کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔
 باپ نے کہا ”ابراہیم، کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آتا تو میں تجھے سنگسار
 کر دوں گا۔ بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔“

ابراہیم نے کہا ”سلام ہے آپ کو۔ میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے،“

۲۶۶ یہاں سے خطاب کا رخ اہل مکہ کی طرف پھر رہا ہے جنہوں نے اپنے نوجوان بیٹوں، بھائیوں اور دوسرے
 رشتہ داروں کو اسی طرح خدای پرستی کے جرم میں گھر چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا جس طرح حضرت ابراہیم کو ان کے باپ اور بھائی بندوں
 نے دیس نکالا دیا تھا۔ اس غرض کے لیے دوسرے انبیاء کو چھوڑ کر خاص طور پر حضرت ابراہیم کے حقے کا انتخاب اس لیے کیا گیا
 کہ فریض کے لوگ ان کو اپنا پیشوا مانتے تھے اور انہی کی اولاد ہونے پر عرب میں اپنا فخر جتایا کرتے تھے۔

۲۶۷ اصل الفاظ میں لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ، یعنی ”شیطان کی عبادت نہ کر۔“ اگرچہ حضرت ابراہیم کے والد
 اور قوم کے دوسرے لوگ عبادت بتوں کی کرتے تھے، لیکن چونکہ اطاعت وہ شیطان کی کر رہے تھے، اس لیے حضرت
 ابراہیم نے ان کی اس اطاعت شیطان کو بھی عبادت شیطان قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عبادت محض پوجا اور پرستش
 ہی کا نام نہیں بلکہ اطاعت کا نام بھی ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی پر لعنت کرتے ہوئے بھی اس کی
 بندگی بجالائے تو وہ اس کی عبادت کا جوہ ہے، کیونکہ شیطان بہر حال کسی زمانے میں بھی لوگوں کا ”معبود“ (یعنی معبود)
 نہیں رہا ہے بلکہ ان کے نام پر ہزار مانے میں لوگ لعنت ہی بھیجتے رہے ہیں۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد سوم)

إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَأَعْتَزَلَكُمُ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَأَدْعُوا
 رَبِّي عَسَىٰ أَلاَّ أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا أَعْتَزَلَهُمْ وَمَا
 يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا
 نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيمًا ﴿۵۰﴾
 وَادْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿۵۱﴾

میرا رب مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں آپ لوگوں کو کبھی چھوڑتا ہوں اور ان مہینوں کو بھی جنہیں آپ لوگ
 خدا کو چھوڑ کر پکارا کرتے ہیں۔ میں تو اپنے رب ہی کو پکاروں گا، امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کے
 نامراد نہ رہوں گا۔

پس جب وہ ان لوگوں سے اور ان کے معبودان غیر اللہ سے جدا ہو گیا تو ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب
 جیسی اولاد دی اور ہر ایک کو نبی بنایا اور ان کو اپنی رحمت سے نوازا اور ان کو سچی نام وری عطائی بنا
 اور ذکر کرد اس کتاب میں موسیٰ کا۔ وہ ایک ہی شخص تھا اور رسول ہی تھا۔

الکف، حاشیہ ۴۹-۵۰

۲۷۷ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن جلد دوم، التوبہ، حاشیہ ۱۱۲

۲۷۸ یہ حرف تسلی ہے ان ہمارے کہنے کے لیے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوئے تھے۔ ان کو تپا یا جا رہا ہے کہ جس
 طرح ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان سے کٹ کر زیادہ ہوئے بلکہ اٹھے سر بلند و سر فراز ہو کر رہے اسی طرح تم بھی زیادہ ہو گے بلکہ
 وہ عزت پاؤ گے جس کا تصور بھی جاہلیت میں بڑے سے ہوئے کفار قریش نہیں کر سکتے۔

۲۷۹ اصل میں لفظ مخلص استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں "خالص کیا ہوا" مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ایک
 ایسے شخص تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے خالص بنا کر لیا تھا۔

۲۸۰ "رسول" کے معنی ہیں "فرستادہ"، "بھیجا ہوا" اس معنی کے لحاظ سے عربی زبان میں قاصد و پیغام بر، ایچی اور
 سفیر کے لیے یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سادہ قرآن میں یہ لفظ یا تو ان ملائکہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 کسی کار خاص پر بھیجے جاتے ہیں، یا پھر ان انسانوں کو اس نام سے موسوم کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خلق کی طرف اپنا پیغام

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيبًا ﴿۵۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ

ہم نے اُس کو طور کے داہنی جانب سے پکارا اور راز کی گفتگو سے اس کو تقرب عطا کیا اور اپنی مرہانی سے

پہنچانے کے لیے مامور فرمایا۔

”نبی“ کے معنی میں اہل لغت کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض اس کو لفظ نبی سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں، اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی ”خبر دینے والے“ کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے یعنی نعت اور نبوی اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے ”بلند مرتبہ اور عالی مقام“۔ ازہری نے کسی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبی ہے جس کے معنی طرف اور راستے کے ہیں، اور انبیاء کو نبی اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف جانے کا راستہ ہیں۔

پس کسی شخص کو ”رسول نبی“ کہنے کا مطلب یا تو ”عالی مقام“ یا ”نبی“ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبریں دینے والا یا پیغمبر یا پھر وہ پیغمبر جو اللہ کا راستہ بتانے والا ہے۔

قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ بالعموم ہم معنی استعمال ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ہی شخصیت کو کہیں صرف رسول کہا گیا ہے اور کہیں صرف نبی اور کہیں رسول اور نبی ایک ساتھ۔ لیکن بعض مقامات پر رسول اور نبی کے الفاظ اس طرح بھی استعمال ہوئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں مرتبہ یا کام کی نوعیت کے لحاظ سے کوئی اصطلاحی فرق ہے۔ مثلاً سورہ ریح، رکوع ۷ میں فرمایا: وَهَذَا آتُوسَلَّمَآرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلٍ وَلَا تَتَّبِعِ الْآلَاءَ..... ہم نے تم سے پہلے نہیں بھیجا کوئی رسول اور نبی مگر..... یہ الفاظ صاف ظاہر کرتے ہیں کہ رسول اور نبی دو الگ اصطلاحیں ہیں جن کے درمیان کوئی معنوی فرق ضرور ہے۔ اسی بنا پر اہل تفسیر میں یہ بحث چل پڑی ہے کہ اس فرق کی نوعیت کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قطعی دلائل کے ساتھ کوئی بھی رسول اور نبی کی الگ الگ حیثیتوں کا تعین نہیں کر سکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول کا لفظ نبی کی بہ نسبت خاص ہے، یعنی ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے، مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا، یا بالفاظ دیگر انبیاء میں سے رسول کا لفظ ان جلیل القدر ہستیوں کے لیے بولا گیا ہے جن کو عام انبیاء کی بہ نسبت زیادہ اہم منصب سپرد کیا گیا تھا۔ اسی کی تائید اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو امام احمد نے حضرت ابوامامہ سے اور امام نے حضرت ابوذر سے نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۱۲۳ یا ۱۲۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ایک لاکھ ۲۴ ہزار بتائی۔ اگرچہ اس حدیث کی سندیں ضعیف ہیں، مگر کئی سندوں سے ایک بات کا نقل ہونا اس کے ضعف کو بڑی حد تک دور کر دیتا ہے۔

۱۳۷ کوہ طور کے داہنی جانب سے مراد اس کا مشرقی دامن ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مہر جاتے ہوئے اُس راستہ سے گزر رہے تھے جو کہ طور کے جنوب سے جاتا ہے، اور جنوب کی طرف سے اگر کوئی شخص طور کو دیکھے تو اس کے دائیں جانب مشرق اور بائیں جانب مغرب ہوگا، اس لیے حضرت موسیٰ کی نسبت سے طور کے مشرقی دامن کو ”داہنی جانب“

مِنْ تَحْمِيَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ۝۵۲ وَادَّكُرُ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ
 إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ۝۵۳ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ
 بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ هَرَضِيًّا ۝۵۴ وَادَّكُرُ فِي الْكِتَابِ
 إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ۝۵۵ وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝۵۶

اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اُسے (مددگار کے طور پر) دیا۔

اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کرو۔ وہ وعدے کا سچا تھا اور رسول نبی تھا وہ اپنے
 گھروالوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک ایک پسندیدہ انسان تھا۔
 اور اس کتاب میں ادْرِیس کا ذکر کرو۔ وہ ایک راستباز انسان اور ایک نبی تھا اور اسے
 ہم نے بلند مقام پر اٹھایا تھا۔

فرمایا گیا۔ سورہ ظاہر ہے کہ مجھے خود پہاڑ کا کوئی دایاں یا بائیں رخ نہیں ہوتا۔

۳۳۰ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، جلد اول، النساء، حاشیہ ۳۰۶۔

۳۳۱ حضرت ادْرِیس کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک وہ بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی تھے۔ مگر اکثریت
 اس طرف گئی ہے کہ وہ حضرت نوح سے بھی پہلے گورے ہیں۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ہم کو ایسی نہیں ملی جس سے ان
 کی شخصیت کے قیام میں کوئی مدد ملتی ہو۔ البتہ قرآن کا ایک اشارہ اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ وہ حضرت نوح سے متقدم ہیں۔
 کیونکہ بعد والی آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ انبیاء جن کا ذکر ادرپر گزرا ہے، آدم کی اولاد، نوح کی اولاد، ابراہیم کی اولاد اور اسماعیل کی
 اولاد سے ہیں۔ اب یہ ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ، عیسیٰ اور موسیٰ علیہم السلام تو بنی اسرائیل میں سے ہیں، حضرت اسماعیل، حضرت
 اسحاق اور حضرت یعقوب اولاد ابراہیم سے ہیں اور حضرت ابراہیم اولاد نوح سے، اس کے بعد صرف حضرت ادْرِیس ہی رہ جاتے
 ہیں جن کے متعلق یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ وہ اولاد آدم سے ہیں۔

مفسرین کا عام خیال یہ ہے کہ بائبل میں جی بزرگ کا نام حنوک (Enoch) بتایا گیا ہے، وہی حضرت ادْرِیس ہیں۔
 ان کے متعلق بائبل کا بیان یہ ہے:

» اور حنوک پینسٹھ برس کا تھا جب اس سے منسوخ پیدا ہوا اور منسوخ کی پیدائش کے بعد حنوک
 تین سو برس تک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا..... اور وہ غائب ہو گیا کیونکہ خدا نے اسے اٹھایا»

أُولَئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمَنْ
 مِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ
 هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذِ اسْتَأْذَنَّا عَلَيْهِمُ آيَاتِ الرَّحْمَنِ خَرَوْا سُجُودًا وَكَبَّوْا
 فَخَلْفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ

الذرية

یہ وہ پیغمبر ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا آدم کی اولاد میں سے اور ان لوگوں کی نسل سے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی پر سوار کیا تھا، اور ابراہیم کی نسل سے اور اسرائیل کی نسل سے۔ اور یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت بخشی اور برگزیدہ کیا۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب حمان کی آیات ان کو سنائی جاتیں تو روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے یہ

پھر ان کے بعد وہ ناخلف لوگ ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشات نفس

رہبرائش، باب ۵-آیت ۲۱-۲۲

تلمود کی اسرائیلی روایات میں ان کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ بتائے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت نوح سے پہلے جب بنی آدم میں بگاڑ کی ابتدا ہوئی تو خدا کے فرشتے نے جنوک کو جو لوگوں سے الگ تھلک زیادہ نازندگی بسر کرتے تھے، پکارا کہ اسے جنوک، اٹھو، گوشت و عورت سے نکلو اور زمین کے باشتندوں میں چل پھر کر ان کو وہ راستہ بتاؤ جس پر ان کو چلنا چاہیے اور وہ طریقہ بتاؤ جن پر انہیں عمل کرنا چاہیے۔ یہ حکم پا کر وہ نکلے اور انہوں نے جگہ لوگوں کو جمع کر کے وعظ و تلقین کی اور نسل انسانی نے ان کی اطاعت قبول کر کے اللہ کی بندگی اختیار کر لی۔ جنوک ۳۵۳ برس تک نسل انسانی پر حکمراں رہے۔ ان کی حکومت انصاف اور حق پرستی کی حکومت تھی۔ ان کے عہد میں زمین پر خدا کی رحمتیں برسی رہیں۔

The Talmud Selections, pp. 18-21

۳۴ اس کا سیدھا سا دعوا مطلب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریش کو بندہ مرتبہ عطا کیا تھا، لیکن اسرائیلی روایات سے منتقل ہو کر یہ بات ہمارے ہاں بھی مشہور ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ادریش کو آسمان پر اٹھایا۔ بائبل میں تو صرف اسی قدر ہے کہ وہ غائب ہو گئے کیونکہ خدا نے ان کو اٹھایا، مگر تلمود میں اس کا ایک طویل قصہ بیان ہوا ہے جس کا خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ جنوک ایک بگولے میں آئیں رہے اور گھوڑوں سمیت آسمان پر چڑھ گئے ۷

۳۵ یعنی نماز پر حنی چھوڑ دی، یا نماز سے غفلت اور بے پروائی برتنے لگے۔ یہ ہر امت کے زوال و انحطاط کا پہلا

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝۳۹ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ۝۴۰ بَحَّتْ عَدْنُ النَّبِيِّ وَعَدَّ الرَّحْمَنُ
عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ۝۴۱ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا
سَلَامًا ۝۴۲ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ۝۴۳ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ

کی پیروی کی پس قریب ہے کہ وہ گمراہی کے انجام سے دوچار ہوں۔ البتہ جو توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں اور نیک عمل اختیار کر لیں وہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر سخی تلفی نہ ہوگی۔ ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن کا رحمان نے اپنے بندوں سے درپردہ وعدہ کر رکھا ہے اور یقیناً یہ وعدہ پورا ہو کر رہنا ہے۔ وہاں وہ کوئی بیہودہ بات نہ سُنیں گے جو کچھ بھی سُنیں گے ٹھیک ہی سُنیں گے۔ اور ان کا رزق انہیں سپہ صبح و شام ملتا رہے گا۔ یہ ہے وہ جنت جس کا وارث

قدم ہے۔ نماز وہ اولین رابطہ ہے جو مومن کا زندہ اور عمل تعلق خدا کے ساتھ شب و روز جوڑے رکھتا ہے اور اسے خلیفہ ہستی کے مرکز و محور سے کچھ پٹنے نہیں دیتا۔ یہ بند من گڑبٹتے ہی آدمی خلا سے دور اور ڈور ڈرتا ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ عملی تعلق سے گزر کر اس کا خیالی تعلق بھی خدا کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بات ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان فرمائی ہے کہ کچھ تمام انبیاء کی امتوں کا بگاڑ نماز ضائع کرنے سے شروع ہوا ہے۔

۳۶ یہ تعلق باللہ کی کمی اور اس کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ نماز کی اصاعت سے جب دل خدا کی یاد سے غافل رہنے لگے تو جوں جوں یہ غفلت بڑھتی گئی خواہشات نفس کی بندگی میں بھی اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ان کے اخلاق اور معاملات کا ہر گوشہ احکام الہی کے بجائے اپنے من مانے طریقوں کا پابند ہو کر رہا۔

۳۷ یہی جس کا وعدہ رحمان نے اس حالت میں کیا ہے کہ وہ جنتیں ان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں۔

۳۸ اصل میں لفظ "سلام" استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں عیب اور نقص سے محفوظ۔ جنت میں جو نعمتیں انسان کو میسر ہوں گی ان میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہوگی کہ وہاں کوئی بیہودہ اور فضول اور گندی بات سُننے میں نہ آئے گی۔ وہاں کا پورا معاشرہ ایک ستم اور سنجیدہ اور پاکیزہ معاشرہ ہوگا جس کا بزرگ و سلیم الطبع ہوگا۔ وہاں کے رہنے والوں کو غیبتوں اور گالیوں اور فحش محاوروں اور دوسری بُری آوازوں کی سماعت سے پوری نجات مل جائے گی۔ وہاں آدمی جو کچھ بھی سنے گا، سخی اور معقول اور بجا باتیں ہی سنے گا۔ اس نعمت کی قدر وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو اس دنیا میں فی الواقع ایک پاکیزہ اور ستمزدوق رکھتا ہو۔ کیونکہ وہی یہ محسوس

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نُنزِّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ
 أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾
 رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ
 تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ إِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾

ہم اپنے بندوں میں سے اُس کو بنائیں گے جو پرہیزگار رہا ہے۔

اُسے چھڑا، ہم تمہارے رب کے حکم کے بغیر نہیں اُتر کرتے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے ہے
 اور جو کچھ اس کے درمیان ہے ہر چیز کا مالک ہی ہے اور تمہارا رب بھولنے والا نہیں ہے۔ وہ رب ہے
 آسمانوں کا اور زمین کا اور اُن ساری چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں پس تم اُس کی بندگی کرو
 اور اُس کی بندگی پر ثبات قدم رہو۔ کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اس کی ہم پایہ؟ ع

انسان کہتا ہے کیا واقعی جب میں مر چکوں گا تو پھر زندہ کر کے نکال لایا جاؤں گا؟

کر سکتا ہے کہ انسان کے لیے ایک ایسی گندی سوسائٹی میں رہنا کتنی بڑی مہیبت ہے جہاں کسی وقت بھی اس کے کان جھوٹ،
 بغیبت، فتنہ و فساد، فحشاء، گندگی اور شہوانیت کی باتوں سے محفوظ نہ ہوں۔

۳۹ یہ پورا پرگنہ ایک جملہ مضمون ہے جو ایک سلسلہ کلام کو ختم کر کے دوسرا سلسلہ کلام شروع کرنے سے پہلے ارشاد
 ہوا ہے۔ انداز کلام صاف تھا رہا ہے کہ یہ سورۃ بڑی درجہ کے بعد ایسے زمانے میں نازل ہوئی ہے جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
 صحابہ بڑے اضطراب و تکلیف حالات سے گزر رہے ہیں۔ حضور کو اور آپ کے صحابہ کو یہ وقت وحی کا انتظار ہے تاکہ اس سے رہنمائی
 بھی ملے اور تسلی بھی حاصل ہو۔ جوں جوں وحی آنے میں دیر ہو رہی ہے اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ اس حالت میں جبریل علیہ السلام فرشتوں
 کے جھرمٹ میں تشریف لاتے ہیں۔ پہلے وہ فرمان سناتے ہیں جو موقع کی ضرورت کے لحاظ سے فوراً اور کار تھا۔ پھر آگے بڑھنے سے
 پہلے اللہ تعالیٰ کے اشارے سے یہ چند کلمات اپنی طرف سے کہتے ہیں جن میں اتنی دیر تک اپنے حاضر نہ ہونے کی معذرت بھی ہے
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرف تسلی بھی، اور ساتھ ساتھ صبر و ضبط کی تلقین بھی۔

یہ صحت کلام کی اندرونی شہادت ہی نہیں ہے بلکہ متعدد روایات بھی اس کی تصدیق کرتی ہیں جنہیں ابن جریر، ابن
 کثیر اور صاحب روح المعانی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

۴۰ یعنی اس کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ چلو اور اس راہ میں جو مشکلات اور مصائب بھی پیش آئیں ان کا

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٠﴾ فَوَرَّكَ
 لِنَحْشُرَهُمْ وَالشَّيْطِينَ ثُمَّ لَنُخْضِرَهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦١﴾ ثُمَّ
 لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عَذِيبًا ﴿٦٢﴾ ثُمَّ لَنَحْنُ
 أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٦٣﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ
 رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ﴿٦٤﴾ ثُمَّ نُنْفِخُ الَّذِينَ أَنْفَقُوا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ﴿٦٥﴾

کیا انسان کو یاد نہیں آتا کہ ہم پہلے اس کو پیدا کر چکے ہیں جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؛ تیرے رب کی قسم ہم ضرور
 ان سب کو اور ان کے ساتھ شیاطین کو بھی گھیر لائیں گے پھر جہنم کے گرد لاکر انہیں گھٹنوں کے بل کر دیں گے
 پھر سرگروہ میں سے ہر شخص کو چھانٹ لیں گے جو رحمان کے مقابلے میں زیادہ کمرش بنا ہوا تھا، پھر
 یہ ہم جانتے ہیں کہ ان میں سے کون سب سے بڑھ کر جہنم میں جھونکے جانے کا مستحق ہے۔ تم میں سے کوئی ایسا
 نہیں ہے جو جہنم پر وارد نہ ہو یا یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے۔ پھر ہم
 ان لوگوں کو بچا لیں گے جو دنیا میں (منفق تھے اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر اس کی طرف سے یاد فرمائی اور مدد و تسلی میں کسی دیر لگ جایا کرے تو اس پر گھبراؤ نہیں۔ ایک صلح فرمان
 بندے کی طرح ہر حال میں اس کی حیثیت پر راضی رہو اور پورے عزم کے ساتھ وہ خدمت انجام دیے چلے جاؤ جو ایک بندے اور
 رسول کی حیثیت سے تمہارے سپرد کی گئی ہے۔

۵۴۱ اصل میں لفظ تنہی استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی ہم نام کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے، کیا کوئی دوسرا
 الٰہ بھی تمہارے علم میں ہے، اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر تمہارے لیے اس کے سوا اور راستہ ہی کونسا ہے کہ اس کی
 بندگی کرو اور اس کے حکم کے بندے بن کر رہو۔

۵۴۲ یعنی ان سنجیا طین کو جن کے یہ پچیلے بنے ہوئے ہیں اور جن کے کھمٹے پڑھائے ہیں اگر انہوں نے یہ سمجھ لیا
 ہے کہ زندگی جو کچھ بھی ہے، یہی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں جہاں ہمیں خدا کے سامنے حاضر ہونا اور
 اپنے اعمال کا حساب دینا ہو۔

۵۴۳ یعنی ہر باغی گروہ کا لیڈر۔

وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا
 أَيْ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ۝۴۳ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ
 مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَانًا وَرِءْيَا ۝۴۴ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ
 فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ مَدَدًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ
 وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ۝۴۵
 وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَيْتُ الصِّدْقِ الصَّالِحِ خَيْرٌ

ان لوگوں کو جب ہماری کھلی کھلی آیات سنائی جاتی ہیں تو انکار کرنے والے ایمان لانے والوں
 سے کہتے ہیں "بتاؤ ہم دونوں گروہوں میں سے کون بہتر حالت میں ہے اور کس کی مجلسیں زیادہ شاندار
 ہیں؟ حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے زیادہ سرسازمان رکھتی
 تھیں اور ظاہری شان و شوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں۔ ان سے کہو: جو شخص گمراہی میں مبتلا ہوتا
 ہے اُسے رحمان ڈھیل دیا کرتا ہے یہاں تک کہ جب ایسے لوگ وہ چیز دیکھ لیتے ہیں جس کا ان کے وعدہ
 کیا گیا ہے۔ خواہ وہ عذاب الہی ہو یا قیامت کی گھڑی۔ تب انہیں معلوم
 ہو جاتا ہے کہ کس کا حال خراب ہے اور کس کا جتنا کمزور! اس کے برعکس جو لوگ راہِ راست اختیار
 کرتے ہیں اللہ ان کو راست روی میں ترقی عطا فرماتا ہے اور باقی رہ جانے والی نیکیاں ہی تیرے

۴۴ء وارد ہونے کے معنی بعض روایات میں داخل ہونے کے بیان کیے گئے ہیں، مگر ان میں سے کسی کی سند بھی
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قابل اعتماد ذرائع سے نہیں پہنچتی۔ اور پھر یہ بات قرآن مجید اور ان کثیر التعداد صحیح احادیث کے بھی خلاف
 ہے جو میں مومنین صالحین کے دوزخ میں جانے کی قطع نفی کی گئی ہے۔ مزید برآں لغت میں بھی ورود کے معنی دخول کے نہیں ہیں۔
 اس لیے اس کا صحیح مطلب یہی ہے کہ جہنم پر گزرتو سب کا ہو گا مگر جیسا کہ بعد والی آیت بتا رہی ہے، پھر پیرگار لوگ اس سے بچا
 لیے جائیں گے اور ظالم اس میں جھونک دیے جائیں گے۔

۴۵ء یعنی ان کا اسخند لال یہ تھا کہ دیکھ لو، دنیا میں کون اللہ کے فضل اور اس کی نعمتوں سے نوازا جا رہا ہے۔

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرًا مِّمَّا دَا ۷۹ ﴿۷۹﴾ اَفْرَعَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ
لَا أُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۸۰ ﴿۸۰﴾ اَطْلَعِ الْغَيْبِ اِمَّ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ
عَهْدًا ۸۱ ﴿۸۱﴾ كَلَّا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۸۲ ﴿۸۲﴾
وَنَزِيۡتُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِنَا فَوَدًا ۸۰ ﴿۸۰﴾ وَاَتَّخِذُوا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِلٰهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا
لَهُمۡ عِزًّا ۸۱ ﴿۸۱﴾ كَلَّا سَيَكْفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيْهِمۡ ضِدًّا ۸۲ ﴿۸۲﴾

رب کے نزدیک جزا اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

پھر تو نے دیکھا اُس شخص کو جو ہماری آیات کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مال اور اولاد سے نوازا ہی جاتا رہوں گا، کیا اسے غیب کا پتہ چل گیا ہے یا اس نے رحمان سے کوئی عہد لے رکھا ہے؟ — ہرگز نہیں، جو کچھ یہ کہتا ہے اسے ہم لکھ لیں گے اور اس کے لیے جزا میں اور زیادہ اضافہ کریں گے۔ جس سرور سامان اور لاؤ لٹکے کا یہ ذکر کر رہا ہے وہ سب ہمارے پاس رہ جائے گا اور یہ اکیلا ہمارے سامنے حاضر ہوگا۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے کچھ خدا بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کے پشتیبان ہوں، کوئی پشتیبان تو ہوگا۔ وہ سب ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور اُلٹے ان کے مخالف بن جائیں گے۔

کس کے گھر زیادہ شاندار ہیں؟ کس کا میاں زندگی زیادہ بلند ہے؟ کس کی عقلیں زیادہ شگفتہ سے جیتی ہیں؟ اگر یہ سب کچھ ہمیں بہتر ہے اور تم اس سے محروم ہو تو خود سوچ لو کہ آخریہ کیسے ممکن تھا کہ ہم باطل پر ہوتے اور یوں مزے اُڑاتے اور تم حق پر ہوتے اور اس طرح خستہ دور ماندہ رہتے؟ مزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن، جلد سوم، الکشف، حاشیہ ۳۸، ۳۷۔

۷۹ یعنی ہر آزمائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ ان کو صحیح فیصلے کرنے اور صحیح راستہ اختیار کرنے کی توفیق بخشتا ہے، ان کو برا بیوں اور غلطیوں سے بچاتا ہے اور اس کی بلایت و رہنمائی سے وہ برابر راہِ راست پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

۸۰ یعنی وہ کہتا ہے کہ تم مجھے خواہ کتنا ہی گمراہ و بدکار کہتے رہو اور عذاب الہی کے ڈر سے دبا کر دو، میں نوا ج بھی تم سے زیادہ خوشحال ہوں اور اُشدہ بھی مجھ پر نعمتوں کی بارش ہوتی رہے گی۔ میری دولت دیکھو، میری وجاہت اور ریاست دیکھو۔

الْمُتَرَاتِقَا أَرْسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَّضَعُوا آذَانًا ۙ فَلَا تَعْمَلُ عَلَيْهِمْ إِنَّمَّا نَعُدُّ لَهُمْ عَذَابًا ۙ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ۙ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وُرْدًا ۙ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا ۙ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۙ لَقَدْ جِئْتُمُ

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم نے ان منکرین حق پر شیاطین چھوڑ رکھے ہیں جو انہیں خوب خوب (مخالفت حق پر) اگسا رہے ہیں؛ اچھا تو اب ان پر نازل عذاب کے لیے بنیاب نہ ہو۔ ہم ان کے دن گن رہے ہیں۔ وہ دن آنے والا ہے جب متقی لوگوں کو ہم مہمانوں کی طرح رحمان کے حضور پیش کریں گے، اور مجرموں کو پیاسے جانوروں کی طرح جہنم کی طرف ہانک لے جائیں گے۔ اُس وقت لوگ کوئی سفارش لانے پر قادر نہ ہوں گے بجز اُس کے جس نے رحمان کے حضور سے پروانہ حاصل کر لیا ہو۔

وہ کہتے ہیں کہ رحمان نے کسی کو بیٹا بنایا ہے — سخت بیہودہ بات ہے جو

میرے نامور بیٹوں کو دیکھو، میری زندگی میں آخر نہیں کہاں یہ آنا نظر آئے ہیں کہ میں خدا کا غضوب ہوں؛ — یہ کہے ہیں کسی ایک شخص کے خیالات نہ تھے بلکہ کفار مکہ کا ہر شیخ اور سردار اسی خط میں مبتلا تھا۔

۵۴۸ یعنی اس کے جرائم کے ریکارڈ میں اس کا یہ کلمہ مذکور بھی شامل کر لیا جائے گا اور اس کا مزاج بھی اسے چکھنا پڑے گا۔

۵۴۹ اصل میں لفظ عَدَا استعمال ہوا ہے، یعنی وہ ان کے لیے سبب عتوت ہوں۔ مگر عتوت سے مراد عربی زبان میں

کسی شخص کا ایسا طاقت و راد زبردست ہونا ہے کہ اس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے۔ ایک شخص کا دوسرے شخص کے لیے سبب عتوت بننا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ اس کی حمایت پر ہو جس کی وجہ سے اس کا کوئی مخالفت اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکے۔

۵۵۰ یعنی وہ کہیں گے کہ نہ ہم نے کبھی ان سے کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو، اور نہ ہمیں یہ خبر تھی کہ یہ احمق لوگ ہماری

عبادت کر رہے ہیں۔

۵۵۱ مطلب یہ ہے کہ ان کی زیادتیوں پر تم بے صبر نہ ہو۔ ان کی شامت قریب آگئی ہے۔ یہاں نہ بھرا چاہتا ہے۔ اللہ کی

دی ہوئی مہلت کے کچھ دن باقی ہیں، انہیں پورا ہو لینے دو۔

۵۵۲ یعنی سفارش اسی کے حق میں ہوگی جس نے پروانہ حاصل کیا ہو، اور وہی سفارش کر سکے گا جسے پروانہ ملا ہو۔

شَيْئًا إِذَا تَكَادُ السَّمَوْتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ
 الْجِبَالُ هَدًّا ۙ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًّا ۙ وَمَا يُنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ
 أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۙ إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي
 الرَّحْمَنِ عَبْدًا ۙ لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۙ وَكُلُّهُمْ عِندَهُ
 يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۙ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ
 لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ۙ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ

تم لوگ گھڑ لائے ہو۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ گر جائیں، اس
 بات پر کہ لوگوں نے رحمان کے لیے اولاد ہونے کا دعویٰ کیا، رحمان کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو
 بیٹا بنائے۔ زمین اور آسمانوں کے اندر جو بھی ہیں سب اس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش
 ہونے والے ہیں۔ سب پر وہ محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ سب قیامت کے روز
 فرداً فرداً اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔

یقیناً جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کر رہے ہیں عنقریب رحمان ان کے لیے لوگوں میں
 محبت پیدا کرے گا پس لے محمدؐ، اس کلام کو ہم نے آسان کر کے تمہاری زبان میں اسی لیے نازل کیا ہے کہ تم

آیت کے الفاظ ایسے ہیں جو دونوں پہلوؤں پر یکساں روشنی ڈالتے ہیں۔

یہ بات کہ سنارش صرف اسی کے حق میں ہو سکے گی جس نے رحمان سے پروانہ حاصل کر لیا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ
 جس نے دنیا میں ایمان لاکر اور خدا سے کچھ تعلق جوڑ کر اپنے آپ کو خدا کے حضور درگزر کا مستحق بنا لیا ہو۔ اور یہ بات کہ سفارش
 وہی کر سکے گا جس کو پروانہ ملا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں نے جن جن کو اپنا شفیع اور سفارشی سمجھ لیا ہے وہ سفارشی کرنے
 کے مجاز نہ ہوں گے بلکہ خدا خود جس کو اجازت دے گا وہی شفاعت کے لیے زبان کھول سکے گا۔

۵۳ یعنی آج تک کی گلیوں میں وہ ذیل و رسا کیے جا رہے ہیں، مگر یہ حالت دیر پا نہیں ہے۔ قریب ہے وہ دقت جبکہ
 اپنے اعمال صالحہ اور اخلاق حسنة کی وجہ سے وہ مجرب خلائق ہو کر رہیں گے۔ دل ان کی طرف کھینچیں گے۔ دنیا ان کے آگے

الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرِيهِ قَوْمًا لَّدَا ۙ ﴿۹۵﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ
هَلْ تَحْسُبُ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ دِكْرًا ۙ ﴿۹۶﴾

پر مہینہ گاروں کو خوشخبری دے دو اور ہٹ دھرم لوگوں کو ڈرا دو۔ ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، پھر آج کہیں تم ان کا نشان پاتے ہو یا ان کی بھنگ بھی کہیں سنائی دیتی ہے؟

ہمیں بچھائے گی۔ فسق و فجور، دعوت اور کبر، جھوٹ اور ریاکاری کے بل پر جو سیادت و قیادت جلتی ہو وہ گردنوں کو چاہے جھکا لے، دنوں کو مسخر نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس جو لوگ صداقت، دیانت، اخلاص اور حسن اخلاق کے ساتھ راہِ راست کی طرہ دعوت دیں، ان سے اقل اقل جہاں پر آئے، آخر کار وہ دنوں کو کھنواہ جیتے ہیں اور یہ دیانت لوگوں کا جھوٹ زیادہ دیر تک ان کا راستہ روکے نہیں رہ سکتا۔

Tafheem-ul-Quran [The Meaning of the Quran] - S Abul A'la Maududi

▼ Surah!